سید محمد کفیل بخاری

چہرہ

کشادہ پیشانی، بھرا ہوا روشن گول چہرہ............ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا نقشِ ثانی۔ شربتی غلافی آنکھوں میں سرخ ڈورے، بھنویں ہلکی، پلکیں لمبی، نظر عقابی............ جن سے غیرت و خودداری اور مؤمنانہ فراست کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔ دراز قامت، دوہرا جسم، چوڑا سینہ اور مضبوط شانے۔ جرأت و شجاعت کے غماز سرخ گندمی رنگ، گھنے اور گھنگریالے بال، مگر......... سنتِ نبوی کی مثال سفید داڑھی جیسے انوارِ صبح کا سماں، سیاہ زلفوں میں روشن چہرہ جیسے ظلمت شب میں ماہتاب۔

طبیعت میں جلال و جمال کا حسین امتزاج، پیکر جرأت و قناعت، دل کے غنی، فراخ دست، غمگسار، مہمان نواز، خوئے وفا، خوش مزاج و خوش مذاق، سخن فہم و سخن طراز

ع نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُرسوز

دوستوں کے دوست، دشمنوں کے شریف دشمن، چائے اور پان کے رسیا، حسن و شعر کے دلدادہ، بذلہ سنج، عرب کی جھلک، سادات کی آبرو، سمرقند و بخارا کی یادگار، سراپا احرار

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

شیریں کلام، جادو گفتار، اثرِ جبرئیل، تلاوت و ترتیل، قرأت میں حسن، لے حجازی، لہجہ گداز، آواز پاٹ دار، خرمنِ باطل پر برقِ شرربار۔

اسلام کا مبلغ، قرآن کا مناد، عالم دیں، نکتہ آفریں، صبا کی چال، سمندر کا خروش، پھولوں کی مہک، بجلی کی چمک، شیر کی گرج، فصیح و بلیغ، خطابت میں یکتا ملتے ہیں لوگ ایسے خال خال

القصہ ایک عہد صحابہ کی یادگار

تین سو پینسٹھ دنوں میں تین سو چھیاسٹھ تقریریں، صبح کہیں، شام کہیں، دن کہیں، رات کہیں، بستی بستی، نگر نگر، وہ گھوم گئے دیوانہ وار

اکہتر برسوں میں اکتالیس برس ریل اور جیل کی نذر کر دیئے۔ برصغیر کے کروڑوں انسانوں کو انگریز کے خلاف بغاوت پر اکسایا، شعور بخشا، غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر آزادی کا صور پھونکا، عمر بھر اسلام کے ناموس اور وطن کی آزادی کے لئے جہاد کیا۔ فرنگی اور اس کے خود کاشتہ پودے قادیانیوں کے ازلی دشمن، عقیدۂ ختم نبوت کے سچے محافظ، منکرینِ ختم نبوت کے لئے برقِ عتاب، خود فروشوں کے لئے ہیبتِ احرار، پکے مسلمان، کھرے

انسان۔

اک عالم کو کر گیا بیدار

قیامِ پاکستان کے وقت امرتسر سے ہجرت کی اور ملتان کے محلہ ٹبی شیر خان میں کرایہ کے کچے مکان میں گوشہ نشیں ہوگئے

گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے۔

پے بہ پے حوادث نے بڑھاپے کی رفتار کو تیز تر کر دیا۔ بیماری نے حملہ کیا تو افلاس کی قوت سے اس کا مقابلہ کرتے رہے۔ مگر۔۔۔۔۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی اور۔۔۔۔۔۔۔

۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کی اداس شام یہ آفتابِ خطابت ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

ان للہ وانا الیہ راجعون۔ برق و رعد آسودۂ بستر شدہ

شعلہ جوّالہ خاکستر شدہ۔۔۔

فرمایا: دوست زندانی مصائب سُنانے میں لذت محسوس کرتے ہیں اور میں عیب، یہ اپنا اپنا زاویۂ نظر ہے۔ میں ان مصیبتوں کو رُسوا کرنے کا عادی نہیں۔ میرے لئے جیل خانہ صرف نقل مکانی ہے۔ اپنے گردو پیش باغ و بہار فراہم کر لیتا ہوں۔ اور قید یوں گزر جاتی ہے جیسے صحراؤں سے بادل۔

اک شب جیل خانہ میں سورۂ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا۔ چودھویں رات کا چاند آسمان پر جگمگا رہا تھا مجھے محسوس ہوا کہ وہ قراءت کی تاثیر میں ڈوب کر ٹھہر گیا ہے۔ ایک گھنٹہ اسی تلاوت میں گزر گیا اتنے میں پنڈت رام لال جی سپرنٹنڈنٹ جیل نے پیچھے سے پکارا۔ دیکھا تو وہ کھڑا ہے اور رُخسار اس کے آنسوؤں سے تر ہیں۔ کہنے لگا، شاہ جی خدا کے لئے بس کرو۔ میرا دل قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ اب مجھ میں رونے کی سکت نہیں۔ اللہ اللہ یہ قرآن کی محبت کا اعجاز تھا۔ ایک دن گورنمنٹ آف انڈیا کا برطانوی نژاد ہوم منبر معائنہ کے لئے آ پہنچا۔ میں بیٹھا ہوا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ کہئے شاہ جی! آپ اچھے ہیں۔ میں نے کہا خدا کا شکر ہے۔

دوبارہ پوچھا۔ کوئی سوال۔

میں صرف اللہ سے سوال کیا کرتا ہوں۔ یہ میرا جواب تھا۔ وہ فوراً بولا۔ نہیں میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں؟ جی ہاں! آپ ہمارے ملک سے نکل جائیں۔